(۲) ناول:

ایک خاص طوالت کا نثری قصہ ناول ہے۔ہنری جیمس نے ناول کی تعریف یوں کی
اول اپنی وسیع ترین تعریف میں زندگی کا شخصی اور راست اثر ہے۔"
کلاریوز کے کہنے کے مطابق:"روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہونے والے واقعات
ں اور مربوط انداز میں پیش کرنے کا نام ناول ہے۔"
ورجینا وولف نے ناول کی اہم خصوصیات کا احاطہ یوں کیا ہے:"ناول انسانوں کے
لکھے گئے ہیں۔اس لیے وہ ہمارے اندر ایسے ہی احساسات اُبھارتے ہیں جیسا کہ حقیقی
ابھارتے ہیں۔ناول فن کی وہ واحد ہیئت ہے جس کی واقعیت ہم کو یقین کرنے پر مجبور کرتی
وہ حقیقی انسان کی زندگی کا بھرپور اور صداقت شعارانہ ریکارڈ پیش کرتا ہے۔"
ڈیوڈ سیسل ناول کو ایسا فنی کارنامہ قرار دیتا ہے جو ہم کو ایک "زندہ دنیا" سے متعارف
ہے۔لیکن یہ دنیا ہماری اپنی دنیا سے "مشابہ" بھی اور اپنی ایک "الگ انفرادیت" بھی رکھتی ہو۔
ائے ترکیبی: (۱) کہانی (۲) پلاٹ (۳) کردار (۴) مکالمے (۵) پس منظر یا زماں و مکاں
لوب (۷) نقطۂ نگاہ۔

درحقیقت داستانوں پر اعتراض کی اصل بنیاد وہ مافوق فطرت عناصر ہیں جو داستانوں کے رگ و پے میں خون کی طرح گردش کرتے ہیں مگر معترضین

ملتی ہیں۔
داستانیں حیرت انگیز واقعات اور مقامات کے سبب اپنے اندر بڑی

دلکشی، رنگینی اور دلچسپی کا سامان رکھتی ہیں۔ یہ تفریح کا عمدہ ذریعہ ہیں۔

ادبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو داستانیں قدیم طرزِ تحریر کے متنوّع نمونے پیش کرتی ہیں۔ ان میں زبان و بیان کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔ اُردو ادب خصوصاً اُردو نثر اور افسانوی ادب کی تاریخ میں داستان کو اہم مقام حاصل ہے۔ جدید ناول اور مختصر افسانے کے ارتقائی تسلسل میں داستان پہلا سنگِ میل ہے۔ اس لحاظ سے اس کی افادیت و اہمیّت مُسلّم ہے۔

ناول

ناول (NOVEL) اطالوی زبان کا لفظ ہے جو انگریزی کے توسّط سے اُردو میں رائج ہوا۔ اس کے معنی ہیں "انوکھا، نرالا اور عجیب" اصطلاح میں ناول وہ قصّہ یا کہانی ہے، جس کا موضوع انسانی زندگی ہو اور ناول نگار زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مکمل اور گہرا مشاہدہ کرنے کے بعد ایک خاص سلیقے اور ترتیب کے ساتھ اپنے تجربات و مشاہدات کو کہانی کی شکل میں پیش کر دے۔ ناول میں حقیقت نگاری بنیادی چیز ہے۔ فرضی، خیالی اور مافوق فطرت باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ دراصل ناول

داستان کی ارتقائی شکل ہے۔

فنّی اعتبار سے مندرجہ ذیل عناصر یا لوازم ناول میں بُنیادی اہمیّت رکھتے ہیں:

۱۔ کہانی: ناول کے لیے کہانی بنیادی چیز ہے۔ قصّے کے بغیر ناول، ناول کہلانے کا مستحق نہیں۔ کہانی کی منطقی ترتیب، اور اس کے تدریجی ارتقا پر ناول کی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔

۲۔ پلاٹ: پلاٹ انگریزی لفظ ہے۔ مُراد ہے وہ ذہنی خاکہ جو ناول نگار کہانی کے آغاز، تعمیر، مختلف واقعات کی ترتیب، ان کے اُتار چڑھاؤ اور کہانی کے تکمیل و خاتمے کے متعلق اپنے طور پر بناتا ہے، ناول کی عمدگی کا انحصار بڑی حد تک پلاٹ پر ہی ہوتا ہے۔ پلاٹ گٹھا ہوا ہونا چاہیے۔ پلاٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناول نگار قصّے کو کس زاویۂ نظر سے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

۳۔ کردار: کوئی بھی کہانی کرداروں کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ ناول معاشرے کی عکاسی کرتا ہے اس لیے اس میں ہر طرح کے کرداروں کی موجودگی لازمی ہے۔ ان کے افعال و اعمال اور عمل و ردِ عمل سے ہی ناول کی تشکیل ہوگی۔ ایک یا دو کردار نسبتاً اہم ہوتے ہیں۔ جنھیں مرکزی کردار کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی ناول میں قدم قدم پر ضمنی کردار

ملتے ہیں۔ کرداروں کو نہ تو جامد ہونا چاہیے اور نہ بے لچک۔ یک رُخے کردار بے جان ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے افعال و اعمال حرکات و سکنات، بول چال اور عادات و اطوار معاشرے کے عام انسانوں جیسے ہوں۔ ورنہ وہ قارئین کو متاثر نہیں کر سکیں گے۔ کرداروں کی نیکی بدی کامیابی و ناکامی، حسن و بدصورتی اور شجاعت و بزدلی وغیرہ میں توازن اور تناسب ضروری ہے تاکہ ناول بے کیفی اور بے رنگی کا شکار نہ ہو۔

۴۔ اندازِ نظر: ہر ناول میں مصنّف کا طرزِ فکر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ناول نگار کے ذہنی رویّے سے ناول کے رُخ کا تعیّن ہوتا ہے۔ بغیر مقصد یا غرض و غایت کے کوئی ناول نہیں لکھا جاتا۔ مقصد کی نوعیت کا انحصار ناول نگار کے رجحانِ طبع پر ہوتا ہے۔ کچھ ناول نگار اصلاحی مقاصد کے لیے ناول لکھتے ہیں۔ بعض صرف تفریح کی خاطر اور کچھ مصنفین کا مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ ناول کا بلند پایہ فنی نمونہ پیش کیا جائے۔ اچھے ناول کی خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی خاص نقطۂ نظر کو اس فنکاری کے ساتھ پیش کیا جائے کہ ناول کی ادبی اور فنی سطح برقرار رہے۔ تبلیغی اور اصلاحی تقاضوں کو فنّی پہلو پر غالب کر دینے سے ناول کا معیار گر جائے گا۔

۵۔ زبان و بیان: ناول کی تشکیل و تعمیر میں ناول نگار کی زبان، اندازِ تحریر اور اسلوب بڑے اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ فنی اعتبار سے

ناول نگار کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس قسم کے الفاظ و تراکیب استعمال کرتا ہے۔ اس کی تشبیہات و تمثیلات کا کیا انداز ہے۔ اور اس کے جملوں کی ساخت کیسی ہے۔ پھر یہ کہ مختلف کرداروں کی گفتگو کیسی ہے۔ مکالمے کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ہر کردار کی زبان سے نکلا ہوا جملہ متعلقہ کردار کی حیثیت، مزاج، عمر اور رجحاناتِ طبع غرض اس کی پوری شخصیت کی نمائندگی کرتا ہو۔ مکالمے، کردار کی حیثیت کے مطابق سنجیدہ، عالمانہ، ظریفانہ اور برجستہ ہونے چاہئیں۔ بعض اوقات ناول نگار مختلف کرداروں کے خیالات و افکار کو اپنی زبانی پیش کرتا ہے اس طرح مکالمے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ طریقہ آسان ضرور ہے، مگر اس طرح ناول کی دلچسپی اور دلکشی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ زبان و بیان میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ ناول نگار قصّے کی ابتدا کس انداز میں کرتا ہے۔ اگر سپاٹ، ٹھوس یا فلسفیانہ انداز میں ناول کا آغاز کیا جائے گا تو بہت کم قارئین اس میں دلچسپی لیں گے۔ اس لیے آغاز بڑا دلکش اور چونکا دینے والا ہونا چاہیے۔

۶۔ منظر نگاری: داستانوں کی طرح ناول میں بھی منظر نگاری کے رنگا رنگ مرقعے ملتے ہیں۔ اچھا ناول نگار قدرتی مناظر کو مختلف واقعات کے پسِ منظر کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ مناظر کی رنگینی و دلکشی سے

9:09
Today
9:03 PM

بعض اوقات کہانی میں تنوع پیدا کیا جاتا ہے۔ قدرتی مناظر کے علاوہ معاشرتی تقاریب اور مختلف مواقع کے تفصیلی نقشے بھی ناول کی رنگارنگی میں اضافہ کرتے ہیں۔ منظر نگاری کسی قسم کی ہو، بے ساختگی اور فطری پن برقرار رہنا ضروری ہے۔ اس اعتبار سے ناول کے مناظر، داستانوں کے مناظر سے مختلف اور بہتر ہوں گے۔ بے جا مبالغہ آرائی اور لفاظی سے منظر کا حسن اور تاثر بڑھنے کے بجائے کم ہوگا۔

ناول اپنے موضوعات، کہانی کی نوعیت اور کرداروں کے ارتقا کے نقطۂ نظر سے کئی طرح کے ہوتے ہیں مگر انھیں مختلف "اقسام" میں بانٹنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ ناول نگار لگے بندھے اصولوں کے تحت ناول نہیں لکھتا کہ اسے کسی خاص "قسم" کا ناول قرار دیا جا سکے۔ بہرحال آسانی کی خاطر ناول کی مندرجہ ذیل قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں:

۱۔ کرداری ناول: جس ناول میں کہانی ایک مرکزی کردار کے گرد گھومتی ہو اور سارا تانا بانا ایک مخصوص فرد کے ارد گرد بنایا گیا ہو کرداری ناول کہلاتا ہے۔ نذیر احمد کے ناول "توبۃ النصوح" اور "ابن الوقت" کرداری ناول ہیں۔

۲۔ ڈرامائی ناول: ڈرامائی ناول میں واقعات کی رو تیز ہوتی ہے تغیرات اور تبدیلیاں اتنی تیزی سے نمودار ہوتی ہیں کہ قاری ان میں ڈرامائیت محسوس کرتا ہے۔ بہت سے نتائج توقعات کے برعکس برآمد ہوتے ہیں۔

۳۔ مہماتی ناول: اس قسم کے ناول میں ہر آن نئی مہمات سامنے آتی ہیں۔ مہماتی ناولوں کے کردار، اپنی مرضی سے عمل اور ردِ عمل کے ذریعے ناول کے کینوس کو وسیع کرتے ہیں۔ ان کرداروں کو پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ناولوں میں ناول نگار قارئین کو نئی دنیاؤں کی سیر کراتا ہے۔ ایسے ناول بالعموم دلچسپ ہوتے ہیں۔

۴۔ واقعاتی ناول: ایسے ناول جن میں واقعات کی بھرمار ہو اور کردار کے بجائے ڈھیلی ڈھالی قصہ گوئی پر زور دیا گیا ہو، واقعاتی ناول کہلاتے ہیں۔ ایسے ناولوں کا پلاٹ ڈھیلا ہوتا ہے۔ ان میں کرداروں کی جگہ واقعات کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ واقعات کے پھیلاؤ کے سبب قاری الجھن محسوس کرنے لگتا ہے

۵۔ نظریاتی ناول: ناول نگار بعض اوقات کسی خاص نقطۂ نظر یا نظریۂ حیات کو ناول کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ اس قسم کے ناول کو فکری یا نظریاتی ناول کہا جا سکتا ہے۔ یہ نسبتاً دورِ جدید کی پیداوار ہے۔ نظریاتی ناول کے لیے ضروری ہے کہ نظریے اور فن میں تناسب و توازن کا خیال رکھا جائے۔ اگر ناول کا فنی پہلو نظر انداز ہو جائے تو واعظانہ رنگ غالب آ جائے گا۔ جیسے نذیر احمد کے

ناولوں میں ہوا ہے۔ نظریاتی ناول لکھنا خاصا مشکل ہے۔

۶۔ تاریخی ناول: تاریخی ناولوں میں تاریخ کے کسی دور کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات تاریخی کردار بھی سامنے آتے ہیں فنی اعتبار سے بلند پایہ تاریخی ناول لکھنا آسان نہیں ہے۔ ناول نگار کے لیے یہ اہتمام ضروری ہوتا ہے کہ تاریخی کرداروں کی شخصی عظمت، وقار اور امیج Image مجروح نہ ہو۔ اردو میں عبدالحلیم شرر نے تاریخی ناول لکھنے کی طرح ڈالی۔ دورِ جدید میں نسیم حجازی سب سے بڑے تاریخی ناول نویس ہیں۔

۷۔ جاسوسی ناول: جاسوسی ناول کی بنیاد تجسس، تحیر اور اضطراب پر ہوتی ہے۔ ایسے ناولوں میں بالعموم انہونی باتیں اور فوق الفطرت کردار پیش کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات جاسوسی ناول پر داستان کا گمان ہونے لگتا ہے۔

۸۔ اصلاحی ناول: معاشرتی اصلاح کے مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر لکھے جانے والے ناول تعداد میں سب سے زیادہ ملتے ہیں۔ مگر ان میں ناول کے فن اور تکنیک کو بالعموم نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ درحقیقت اصلاحی ناول، نظریاتی ناول ہی کی ایک قسم ہے۔ ایک معیاری اصلاحی ناول لکھنا بہت مشکل ہے اور صحیح معنوں میں ایک فن کار ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا قسموں کے علاوہ بھی ناول کی بعض چھوٹی اور غیر اہم اقسام ہیں۔

مگر ان کا تذکرہ چنداں ضروری نہیں۔

بعض اوقات داستان کو ناول کی ابتدائی شکل قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات اس لحاظ سے تو درست ہے کہ داستان اور ناول کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ، کردار، رومان اور تفصیل پسندی وغیرہ مشترک ہیں مگر دونوں کے درمیان اس اعتبار سے بڑا فرق ہے کہ:

۱۔ داستان بے لگام تخیل کی پیداوار ہے جب کہ ناول میں حقیقت سے روگردانی ممکن نہیں ہوتی۔

۲۔ داستان میں فوق الفطرت عناصر کا غلبہ ہوتا ہے مگر ناول میں ان کا گزر بھی ممکن نہیں۔

۳۔ بلاشبہ داستان میں پلاٹ موجود ہوتا ہے اور واقعات کا آغاز، اتار چڑھاؤ، ارتقا اور انجام بھی مگر اس میں ناول کی تکنیک، کرداروں کا تجزیہ، حقائق کی تلاش، باقاعدگی اور تناسب و توازن مفقود ہوتا ہے۔

۴۔ داستان کی زبان میں خطابت، رنگینی، تکلف اور آرائش کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ ناول کی زبان روزمرہ کے مطابق ہوتی ہے۔ ادبی چاشنی کے باوجود ناول کی زبان پیچیدگی اور مشکل پسندی سے پاک ہوتی ہے۔

اردو میں ڈپٹی نذیر احمد سب سے پہلے ناول نگار مانے جاتے ہیں۔ ان کا

Send Favorite Edit Delete More

9:10
Today
9:03 PM

ناول "مرآۃ العروس" اُردو کا پہلا ناول قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "بنات النعش"، "ابن الوقت"، "توبۃ النصوح" اور "فسانۂ مبتلا" نذیر احمد کے معروف ناول ہیں۔ انھوں نے مذہبی اور معاشرتی اصلاح کے لیے ناول لکھے۔ ان کے ناولوں پر مقصدیت کا غلبہ ہے جس کے سبب ان کے ناولوں کو پڑھتے ہوئے کہیں کہیں بے لطفی اور اکتاہٹ کا احساس ہوتا ہے۔ وہ ایک بلند پایہ ادیب اور مکالمہ نگاری کے بادشاہ تھے۔ مگر بعض اوقات ان کی عربیت نے تحریر کے حسن کو مجروح کیا ہے۔ بہرحال ان کے ناول اوّلیت کے اعتبار سے اہم ہیں۔ کیونکہ انھوں نے داستانوں کی فوق الفطرت فضا کو ختم کر کے حقیقی زندگی کی عکاسی کی۔

رتن ناتھ سرشار "فسانۂ آزاد"، "جامِ سرشار"، "کامنی" وغیرہ کے نام سے چند ناول لکھے۔ ان میں اوّل الذکر زیادہ اہم ہے۔ "فسانۂ آزاد" سرشار کی ظریفانہ طبیعت کا شاہکار ہے۔ مرقع نگاری لاجواب ہے۔ لکھنؤ کی تصویر کشی بڑی خوبی، تفصیل اور جامعیت سے کی ہے۔ فسانۂ آزاد کے مکالمے بھی عمدہ ہیں۔ اس کا بڑا عیب بے جا طوالت اور غیر ضروری پھیلاؤ ہے جس کے سبب اس کے پلاٹ کا سراغ لگانا مشکل ہے۔ واقعات میں ربط کی کمی ہے۔ بعض نقادوں کے نزدیک یہ ناول کے زمرے میں شمار ہی نہیں ہوتا۔ یہ ناول نہیں، مگر اس میں ناول کے آثار ضرور ملتے ہیں۔

سرشار کے ہیرو میاں آزاد پر بعض اوقات کسی داستانی ہیرو کا گمان ہونے لگتا ہے۔ سرشار کے مقابلے میں شرر اس لحاظ سے نسبتاً کامیاب ناول نگار ہیں کہ ان کے پلاٹ فنی اعتبار سے بہت بہتر ہیں۔ وہ اُردو میں تاریخی ناول کے موجد ہیں۔ مرقع نگاری میں بھی وہ بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ "فردوسِ بریں"، "ملک العزیز ورجنا" اور "منصور موہنا" ان کے معروف ناول ہیں۔ ان کے ناولوں کی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ شرر کی ناول نگاری کے مقاصد اصلاحی ہیں۔ ناول کے فن سے وہ اپنے پیشروؤں سے کہیں زیادہ آگاہ ہیں۔ محمد علی طبیب نے شرر کی تقلید میں تاریخی ناول لکھے مگر وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے البتہ سجاد حسین کا "حاجی بغلول" ایک اچھا مزاحیہ ناول ہے۔

مرزا رسوا کا "امراؤ جان ادا" فنی اعتبار سے ایک بلند پایہ ناول ہے۔ یہ لکھنؤ کی ایک طوائف کی کہانی ہے۔ رسوا نے لکھنوی تہذیب میں طوائفوں کے کردار اور ان کی نفسیات کی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ انھیں فنِ ناول نگاری پر بڑا عبور حاصل تھا۔ اس لیے تکنیک کے لحاظ سے "امراؤ جان ادا" ایک بلند پایہ شاہکار ہے۔ رسوا نے ایک ناول "شریف زادہ" بھی لکھا۔

راشد الخیری "مصورِ غم" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کے ناول عورت کی مظلومیت کی جاندار اور دردناک تصویریں پیش کرتے ہیں۔ ان کی ناول نگاری کا مقصد اخلاقی اور اصلاحی تھا۔ ان کا قلم عورتوں کی اصلاح اور

فلاح کے لیے وقف تھا۔ انھیں مسلمان لڑکیوں کا سرسید کہا جاتا ہے۔

پریم چند اُردو ناول نگاروں میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے "میدانِ عمل"، "بیوہ"، "گئودان"، "نرملا"، "بازارِ حسن" وغیرہ کئی ناول لکھے۔ پریم چند کا نقطۂ نظر اصلاحی تھا۔ انھوں نے ہندوستان کے غریب دیہاتیوں اور کسانوں کی زندگی کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناولوں میں پیش کیا ہے۔ وہ قدیم روایات اور مشرقی اخلاقی قدروں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ناولوں میں فن اور مقصد کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ پریم چند نے اردو ناول کے ذخیرے میں بڑا قیمتی اضافہ کیا ہے۔ اسی دور میں مرزا محمد سعید نے "یاسمین" اور "خوابِ ہستی" کے نام سے دو اچھے ناول لکھے۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی کے ناول "خانم"، "کولتار" وغیرہ مزاحیہ ناول نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اس کے بعد اردو میں جو ناول لکھے گئے ان پر مغرب کے اثرات واضح معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں کرشن چندر کا "شکست"، عصمت چغتائی کا "ٹیڑھی لکیر"، اور عزیز احمد کے "گریز"، "ایسی بلندی، ایسی پستی"، "آگ"، "شبنم"، "ہوس" وغیرہ نمایاں ہیں۔ کرشن چندر نے بعد میں بہت سے ناول لکھے مگر فنی اعتبار سے وہ ناول نویسی کا کوئی اچھا معیار پیش نہیں کر سکے۔ سجاد ظہیر کا "لندن کی ایک رات" بھی ابتدائی ناولوں میں شامل ہے۔

نسیم حجازی کے ناول تاریخِ اسلام کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ وہ اُردو

18

کے مقبول ترین ناول نویس ہیں۔ "داستانِ مجاہد"، "محمد بن قاسم"، "شاہین" اور "یوسف بن تاشفین" ان کے شاہکار ناول ہیں۔ ان کا اسلامی شعور شرر کی نسبت زیادہ پختہ اور بیدار ہے۔ ان کے مقاصد اصلاحی ہیں۔ مقصد اور فن میں توازن کی کمی نے کہیں کہیں ان کے ناولوں کی فنی حیثیت کو مجروح کیا ہے۔

تعداد کے اعتبار سے ایم اسلم، قیسی رام پوری اور رئیس احمد جعفری نے سب سے زیادہ ناول لکھے ہیں۔ ایم اسلم عام قارئین میں بے حد مقبول ہیں۔ ان کے مقاصد اصلاحی ہیں۔ "مردِ غازی"، "رقصِ ابلیس"، "اشکِ ندامت"، "آخری رات" وغیرہ ان کے قابلِ ذکر ناول ہیں۔ رئیس احمد جعفری کے ہاں سطحیت نمایاں ہے۔ ان دونوں ناول نگاروں کی طرح قیسی رام پوری کے ناول بھی فنی اعتبار سے زیادہ بلند پایہ نہیں ہیں۔ رشید اختر ندوی کے ناول بھی اسی قسم کے ہیں۔ بانو قدسیہ، اے آر خاتون، قاسم محمود، علی اصغر چودھری، جمیلہ ہاشمی، صالحہ عابد حسین، اے حمید، عادل رشید، الطاف فاطمہ، بلونت سنگھ، انور جلال، عنایت اللہ، رشیدہ رضویہ وغیرہ موجودہ دور کے نمایاں ناول نگار ہیں۔

دورِ حاضر میں بے شمار ناول لکھے گئے۔ ان میں شوکت صدیقی کا "خدا کی بستی"، قرۃ العین حیدر کا "آگ کا دریا"، احسن فاروقی کا "سنگم"، "شامِ اودھ"، "آبلہ دل کا"، خدیجہ مستور کا "آنگن"، رضیہ فصیح احمد کا "آبلہ پا"، عبداللہ حسین کا "اداس نسلیں"

Send Favorite Edit Delete More

فضل کریم احمد فضلی کا "خونِ جگر ہونے تک"، ممتاز مفتی کا "علی پور کا ایلی"، آغا سہیل کا "غبارِ کوچۂ جاناں" اور اُپندر ناتھ اشک کا "بڑی بڑی آنکھیں" وغیرہ زیادہ معروف ہیں۔ فنی لحاظ سے "آگ کا دریا"، "شام اودھ" اور "خونِ جگر ہونے تک"، بُلند پایہ اور معیاری ناول ہیں، جو اردو ناول کے ذخیرے میں قیمتی اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سب میں فضلی کا ناول فن اور مقصد دونوں لحاظ سے بے مثل شاہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق مرحوم کے خیال میں یہ ایسا معیاری ناول ہے کہ دُنیا کی کسی بھی زبان کے معیاری ناول کے مقابلے میں بلا جھجک اسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ چند نئے ناول: میرا گاؤں (غلام الثقلین نقوی)، "بستی" (انتظار حسین)، راجہ گدھ (بانو قدسیہ) دیوار کے پیچھے (انیس ناگی)، باگھ (عبداللہ حسین)

معیاری ناول نویسی آسان نہیں، اس کے لیے حسن خلوص، لگن، یکسوئی اور مہارتِ فن کی ضرورت ہے، بدقسمتی سے آج کا ادیب ان سے محروم ہے۔ اسی لیے اچھا ناول نہیں لکھا جا رہا۔

افسانہ

دورِ جدید میں انسان کی مصروفیت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ادب پر بھی پڑتا ہے۔ گوناگوں مصروفیات میں

(۳) افسانہ:

افسانہ انیسویں صدی کے آخر کی پیداوار ہے۔ افسانہ قصہ کی وہ شکل ہے جس کے لیے انگریزی میں "شارٹ اسٹوری" کا نام استعمال ہوتا ہے۔ اب اس کے لیے "فکشن" کا لفظ مستعمل ہے۔ یہ داستان اور ناول کی ارتقائی اور ترقی یافتہ صورت ہے۔ بے شمار تعریفوں کے سبب افسانے کی کوئی ایک مخصوص تعریف بے حد مشکل ہے۔ عام طور پر فرضی کہانی کو افسانہ کہا جاتا ہے جو حقیقت کے قریب ہو اور زندگی کی عکاس ہو۔ کیوں کہ اسے زندگی کا ایک ادبی نقش قرار دیا جاتا ہے۔ فنی لحاظ سے ایک افسانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وحدت تاثر کا حامل ہو۔ وحدت تاثر قائم کرنے کے لیے افسانے میں صرف ایک مقصد پر زور دیا جاتا ہے۔ اگر مقاصد ایک سے زیادہ ہوں تو افسانے

میں بہت سی فنی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔اختصار افسانہ کی خوبی ہے۔اڈگرا لین پو(Adgaralinpoe)کا قول ہے کہ افسانہ وہ مختصر کہانی ہے جو آدھ گھنٹہ سے لے کر ایک گھنٹہ یا دو گھنٹہ کے اندر پڑھی جا سکے۔بعض نے کہا کہ ایک نشست میں پڑھا جا سکے غرضیکہ افسانہ مختصر مگر معنوی اعتبار سے جامعیت کا شاہکار ہونا چاہیے۔

اردو افسانے کا آغاز منشی پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم سے ہوا مگر بعض نقاد سر سید احمد خان کو اردو کا پہلا افسانہ نگار اور ان کی تحریر "گزرا ہوا زمانہ" کو پہلا افسانہ قرار دیتے ہیں جو ۱۸۷۰ء میں سر سید احمد خان نے لکھا تھا۔

☆اجزائے ترکیبی:(۱)پلاٹ(۲)کردار نگاری(۳)زمان ومکان (۴) وحدت تاثر (۵) موضوع(۶)اسلوب۔

☆اسلوب کی اقسام:(۱)بیانیہ(۲)سوانحی(۳)مراسلاتی(۴)مخطوط(۵)یادداشتی۔

افسانہ

دورِ جدید میں انسان کی مصروفیت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ادب پر بھی پڑتا ہے۔ گوناگوں مصروفیات میں

Today
9:03 PM

فضل کریم احمد فضلی کا "خونِ جگر ہونے تک"، ممتاز مفتی کا "علی پور کا ایلی"، آغا سہیل کا "غبارِ کوچۂ جاناں"، اوپندر ناتھ اشک کا "بڑی بڑی آنکھیں" وغیرہ زیادہ معروف ہیں۔ فنی لحاظ سے "آگ کا دریا"، "آنگن" اور "خونِ جگر ہونے تک"، بلند پایہ اور معیاری ناول ہیں، جو اردو ناول کے ذخیرے میں قیمتی اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سب میں فضلی کا ناول فن اور مقصد دونوں لحاظ سے بے مثل شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کے خیال میں یہ ایسا معیاری ناول ہے کہ دنیا کی کسی بھی زبان کے معیاری ناول کے مقابلے میں بلا جھجک اسے پیش کیا جا سکتا ہے۔ چند نئے ناول: میرا گاؤں (غلام الثقلین نقوی)، "بستی" (انتظار حسین)، راجہ گدھ (بانو قدسیہ)، دیوار کے پیچھے (انیس ناگی)، باگھ (عبداللہ حسین)۔

معیاری ناول نویسی آسان نہیں، اس کے لیے حسن خلوص، لگن، یکسوئی اور مہارتِ فن کی ضرورت ہے، بدقسمتی سے آج کا ادیب ان سے محروم ہے۔ اسی لیے اچھا ناول نہیں لکھا جا رہا۔

افسانہ

دورِ جدید میں انسان کی مصروفیت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں کی طرح ادب پر بھی پڑتا ہے۔ گوناگوں مصروفیات میں

گھرے ہوئے انسان کا تقاضا یہ ہے اسے کوئی ایسی چیز پڑھنے کو ملے جو نہایت مختصر وقت میں اس کے ذوق کی تسکین و تشفی اور اس کے جذباتی، نفسیاتی اور فکری تقاضوں کو پورا کر سکے۔ مختصر افسانہ اسی ضرورت کی پیداوار ہے۔

"افسانہ یا مختصر افسانہ" قصہ کہانی کی وہ شکل ہے، جس کے لیے انگریزی میں short story کا نام استعمال ہوتا ہے۔ یہ داستان اور ناول کی ارتقائی اور ترقی یافتہ صورت ہے۔ افسانہ کی جامع تعریف آسان نہیں کیونکہ اس کی بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں۔

فنی لحاظ سے ایک افسانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وحدتِ تاثر کا حامل ہو۔ وحدتِ تاثر پیدا کرنے کے لیے ایک معیاری افسانے میں صرف ایک مقصد پر زور دیا جاتا ہے۔ اگر مقاصد ایک سے زیادہ ہوں تو افسانے میں بہت سی فنی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، افسانے میں تاثر کی وحدت اور اتحاد قائم رہے تو اس کی طوالت بھی گراں نہیں گزرتی ورنہ قاری افسانے میں دلچسپی محسوس نہیں کرتا۔

"اختصار" افسانے کی بنیادی خوبی ہے۔ بعض نقادوں نے کہا ہے کہ مختصر افسانہ وہ ہے جو نصف گھنٹے میں پڑھا جا سکے۔ بعض کا خیال ہے کہ جو کہانی ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے، اسے افسانہ کہہ سکتے ہیں۔ درحقیقت افسانے پر وقت کی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ البتہ افسانہ نگار کو غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ نقادوں نے افسانے کو غزل کے مشابہ قرار دیا ہے،

جو بظاہر مختصر مگر معنوی اعتبار سے جامعیت کا شاہکار ہوتی ہے۔

افسانے کے لیے پلاٹ بھی ضروری ہے۔ واقعہ یا واقعات کا آغاز، ارتقا پھر عروج یا منتہا (Climax) تک پہنچنا اور اس کے بعد ایک منطقی نتیجے پر ختم ہونا۔ اسی ترتیب و تنظیم کا نام پلاٹ ہے۔ ایک اچھے افسانے میں منتہا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ صحیح قسم کے منتہا کی غیر موجودگی سے قاری پر افسانے کا کوئی تاثر قائم نہیں ہوتا۔ منتہا کے بغیر افسانہ ایک بیانیہ مضمون ہوگا۔

رمز و ایما، مختصر افسانے کی بنیادی خصوصیت ہے۔ غزل کی طرح افسانے میں بھی وضاحت سے کام نہیں لیا جاتا ہے۔ مختصر افسانے میں کوئی واضح آغاز اور انجام نہیں ہوتا۔ اکثر اوقات افسانے میں کسی واقعے یا کردار کو قاری کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ اور قارئین خود ہی اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

ان بنیادی خصوصیات کے علاوہ افسانے کی فضا بندی، کردار کی سیرت کشی، افسانہ نگار کا اسلوب، مکالمے اور افسانے کا عنوان وغیرہ بھی کسی افسانے کے معیار کے سلسلے میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ مندرجہ بالا خصوصیات افسانے کے خدوخال کو اجاگر کرتی ہیں۔ اس کے باوجود افسانے کی جامع تعریف اس لیے ممکن نہیں کہ جدید افسانے میں بے شمار

تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ بلند پایہ اور معیاری افسانوں کو سامنے رکھ کر اس کی جو تعریف بھی کی جائے، وہ افسانے کے سارے پہلوؤں کو مکمل طور پر گرفت میں نہیں لے سکتی۔

اردو کے جدید افسانہ نگار علامتی افسانے لکھ رہے ہیں۔ بعض ایسے افسانے بھی ملتے ہیں جن میں سرے سے پلاٹ بھی موجود نہیں۔ بعض افسانوں میں "شعور کی رو" کی کارفرمائی ہے۔ یعنی افسانہ نگار کسی خاص واقعے کو تسلسل کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے انسانی ذہن اور اس کے شعور کے سفر کی تصویر پیش کرتا ہے۔ بہرحال افسانے کی جو بھی شکل ہو، افسانہ نگار کے لیے گہرے مشاہدے، واقعاتِ زندگی کے انتخاب اور ان کی متناسب ترتیب کے لیے سلیقہ مندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ معیاری افسانے کی تخلیق گہرے مشاہدے کے ساتھ، لگن اور فنی خلوص اور موضوعِ افسانہ کے ساتھ جذباتی وابستگی چاہتی ہے۔

■■■

افسانہ اور ناول کے عناصرِ ترکیبی میں خاصا اشتراک ہے۔ کیونکہ افسانہ ناول کی ارتقائی شکل ہے، مگر درحقیقت دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نقادوں نے اسے نظم اور غزل کے فرق سے تشبیہ دی ہے۔ بہرحال ناول اور افسانے میں مندرجہ ذیل بنیادی اختلافات ہیں:

Send Favorite Edit Delete More

۱۔ افسانہ مختصر ہوتا ہے اور ناول طویل۔ افسانے میں کسی کردار کی محض ایک جھلک، ایک جذباتی یا اضطرابی کیفیت پیش کی جاتی ہے، مگر ناول میں تفصیل کے ساتھ زندگی کی پیچیدگیاں موضوع بنائی جا سکتی ہیں۔

۲۔ افسانہ مختصر ہونے کے سبب ایک خیال، ایک واقعے، ایک احساس یا ایک تجربے کو پیش کرتا ہے۔ اسی لیے وہ وحدتِ تاثر کا حامل ہوتا ہے۔ مگر ناول کا کینوس زندگی کی طرح بے حد وسیع ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں پھیلاؤ اور وسعت کا احساس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ناول میں تاثر کی وحدت اور اتحاد قائم نہیں رہتا۔ خیالات و تاثرات کے لحاظ سے افسانے کے برعکس ناول کی رنگا رنگی اور رنگینی کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔

۳۔ افسانے میں اختصار کے ساتھ تیز رفتاری بھی ہوتی ہے لیکن افسانہ نگار اس مسافر کی طرح ہوتا ہے، جس کے پاس وقت کم ہو اور مسافت زیادہ ہو۔ اس لیے وہ راستے کی رکاوٹوں کو برق رفتاری سے عبور کرتا، کانٹوں سے دامن بچاتا اور ندیوں کو پھلانگتا جلد از جلد منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برعکس ناول نگار کو کسی مخصوص وقت کے اندر اپنی منزل تک پہنچنے کی جلدی نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ ہر طرح کی رنگینی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور راستے کی دلکشی سے دل و نگاہ کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔

۴۔ افسانے میں ایک ہی پلاٹ ہوتا ہے۔ لیکن ناول میں مرکزی پلاٹ

کے ساتھ ساتھ کئی کئی چھوٹے چھوٹے ضمنی پلاٹ بھی ہوتے ہیں جو مل کر مرکزی پلاٹ کی تکمیل کرتے ہیں۔

۵۔ افسانے کے کردار بالعموم ارتقا سے عاری ہوتے ہیں مگر ناول نگار اپنے کرداروں کی سیرت کو تفصیل سے واضح کرتا ہے۔ افسانے میں ناول کی طرح کرداروں کے خیالات اور مختلف کیفیات کا تفصیلی بیان ممکن نہیں ہو سکتا۔

۶۔ افسانے کی فضا، کردار اور ماحول پر بالعموم مقامی رنگ کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ ناول اپنی وسعت کے سبب کسی ایک علاقے، خطے یا ملک سے مختص نہیں ہوتا۔ افسانے کے ناول میں زمان و مکان کی آزادی اور آفاقیت پائی جاتی ہے۔

انگریزی ادب میں مختصر افسانے کی صحیح شکل انیسویں صدی کے آخر میں متعین ہوئی۔ ایڈگر ایلن پو انگریزی افسانے کا موجد مانا جاتا ہے۔

اُردو میں پریم چند کو پہلا افسانہ نگار کہا جاتا ہے مگر اُن کے ابتدائی افسانوں سے پہلے سجاد حیدر یلدرم بعض ایسی کہانیاں لکھ چکے تھے جو مختصر افسانے کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ پریم چند نے پہلا افسانہ ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں لکھا جبکہ یلدرم کا پہلا افسانہ ۱۹۰۳ء میں شایع ہوا۔

پریم چند کے ابتدائی افسانوں میں وطن سے محبت کے جذبات نمایاں ہیں۔ معاشرتی اصلاح ان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ ان کے اوّلین افسانوی مجموعے

"سوزِ وطن" کو انگریزی حکومت نے باغیانہ قرار دے کر ضبط کر لیا، مگر اس کے بعد پریم چند نے اس سے کہیں زیادہ بلند پایہ افسانے لکھے جو مختصر افسانے کے فنی معیار پر پورا اترنے کے ساتھ گہری مقصدیت کے حامل بھی ہیں۔ ان کے برعکس یلدرم رومانویت پسند افسانہ نگار ہیں۔ البتہ علی عباس حسینی، سلطان حیدر جوش اور اعظم کریوی وغیرہ نے پریم چند کی اصلاح پسندانہ روایت کو آگے بڑھایا۔ مجنوں گورکھپوری اور نیاز فتح پوری کے افسانوں کا موضوع عشق و محبت کا جذباتی پہلو ہے۔ ان کے افسانوں میں جذباتیت کا غلبہ ہے۔ اسی زمانے میں حامد اللہ افسر، ل احمد اکبرآبادی، کوثر چاندپوری اور فضل حق قریشی وغیرہ نے بھی عمدہ افسانے لکھ کر اردو افسانے کے ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ کیا۔

۱۹۳۰ء کے لگ بھگ حیات اللہ انصاری، الیاس محمود، عظیم بیگ چغتائی، راشد الخیری اور اختر انصاری بڑے اچھے افسانے لکھ رہے تھے۔ خواجہ حسن نظامی کے افسانے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے متعلق ہیں اور اپنے رنگ میں منفرد۔ چند برسوں بعد "انگارے" کے نام سے دس افسانوں کا ایک مجموعہ شایع ہوا جس میں سجاد ظہیر، رشید جہاں، محمود الظفر اور احمد علی وغیرہ کے افسانے شامل تھے۔ فنی لحاظ سے ان افسانوں میں مغربی افسانے کی تکنیک سے کام لیا گیا، مگر غیر ضروری جذباتیت اور بے لگام جوشیلے پن نے انھیں اردو افسانے کی روایت سے

الگ کر دیا۔ ترقی پسند تحریک نے افسانے کو ایک نیا رُخ عطا کیا، مگر چونکہ اس تحریک پر سیاسی اور اشتراکی مقاصد کا غلبہ تھا۔ اس لیے افسانے کو مخصوص سیاسی نعروں کا آلۂ کار بنایا گیا۔ چنانچہ کرشن چندر، اختر حسین رائے پوری، ابراہیم جلیس اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ کے افسانوں میں تحریک کے اثرات موجود ہیں کسی کے ہاں کم اور کسی کے ہاں زیادہ۔ اس کے خلاف ردِ عمل ہوا۔ اُردو کے بیشتر افسانہ نگاروں کو ترقی پسند تحریک سے اختلاف تھا۔ ان کے افسانے تحریک کے سیاسی رنگ سے پاک ہیں۔ حیات اللہ انصاری، سعادت حسن منٹو، اُپندر ناتھ اشک، محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں، منٹو اور بیدی وغیرہ نے بڑے خوبصورت افسانے لکھے، عصمت چغتائی، منٹو اور عسکری پر فحاشی اور عریاں نگاری کا الزام لگایا جاتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد جو نئے افسانہ نگار سامنے آئے ان میں انتظار حسین، غلام عباس، قرۃ العین حیدر، تسنیم سلیم چھتاری، ممتاز مفتی، اے حمید، ہاجرہ مسرور، شفیق الرحمٰن، خدیجہ مستور، جیلانی بی اے، محمود فاروقی، اشفاق احمد، رام لعل، ابو سعید قریشی، مرزا ادیب، آثم میرزا، صادق حسین، نعیم صدیقی، آغا بابر، انور جیلانی بانو، واجدہ تبسم، منظر حسین، م نسیم، ابو الخطیب، ابو الفضل صدیقی، قیصر قیصری، حسان کلیمی، اسعد گیلانی، ابن فرید اور بلونت سنگھ کے نام نمایاں ہیں۔ ان میں سے بعض افسانہ نگاروں نے اپنی افسانہ نگاری کا آغاز تقسیم سے پہلے

کیا تھا۔ اس کے کچھ دیر بعد بے شمار افسانہ نگار سامنے آ گئے۔ اُردو میں افسانہ نگاری کو بڑی تیزی سے قبولِ عام ملا۔ اور اسی نسبت سے افسانے کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیدا ہوا۔ دورِ حاضر میں اُردو افسانہ فن کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔

دورِ جدید کے افسانے میں علامتی رنگ نمایاں ہے۔ قریب کے زمانے میں شمس آغا، رفیق حسین، قاسم محمود، عنایت اللہ، جوگندر پال، رام لعل، غلام الثقلین نقوی، یونس جاوید، الطاف فاطمہ، سلیم اختر، بلراج کومل، مسعود مفتی، حمید کاشمیری، صلاح الدین اکبر، انور سجاد، کمار پاشی، بانو قدسیہ، فرخندہ لودھی، میرزا ریاض، عذرا بخاری، نویدا انجم، رخسانہ صولت، غیاث احمد گدی، اعجاز بٹ، رشید امجد، ذکاء الرحمٰن، قیوم راہی، حمیدہ رضوی، نکہت میرزا، مسعود اشعر، رفعت، محمد منشا یاد، ڈاکٹر احسن فاروقی، منظر الاسلام، اکرام اللہ، مسرت لغاری، پروین سرور، انجم عثمان، تقی حسنین خسرو، غلام محمد رحمان مذنب، خان فضل الرحمٰن، مرزا حامد بیگ، سمیع آہوجہ نے معیاری اور خوبصورت افسانے لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض افسانہ نگاروں کے افسانوی مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

■■■